ماضی قریب کی اسلامی تحریکیں اور سید مودودیؒ کی خدمات

سید جلال الدین عمری

اسلام کے ذریعے دنیا میں جو انقلاب برپا ہوا وہ اپنی نوعیت کا منفرد انقلاب تھا۔ اس طرح کا انقلاب پہلے کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھا تھا۔ دنیا کا مشکل ترین کام یہ ہے کہ بھٹکے ہوئے انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جائے۔ اس انقلاب کے ذریعے یہی کارنامہ انجام پایا تھا۔ یہ ایک ہمہ جہتی انقلاب تھا۔ یہ انقلاب فکر و نظر کا تھا' تہذیب و معاشرت کا تھا' اور قانون و سیاست کا تھا۔ یہ اتنا بھرپور انقلاب تھا کہ زندگی کے تمام شعبے اس کے تابع ہو گئے اور جس رنگ میں وہ رنگنا چاہتا تھا' رنگ گئے۔ یہ انقلاب نسل و قوم اور جغرافیائی حدود سے ناآشنا تھا۔ یہ ایک عالم گیر انقلاب تھا۔ اس انقلاب کی پشت پر ایک طرف عقیدہ و فکر کی زبردست قوت تھی جو دلوں کو مسخر کر رہی تھی اور دوسری طرف اسے قوت نافذہ یا سیاسی قوت حاصل تھی جس کی وجہ سے اس کے اصول و نظریات معاشرے میں پوری طرح جاری و ساری رہے اور جہاں کہیں کوئی رخنہ یا شگاف نظر آتا' اسے آسانی سے پر کر لیا جاتا۔ یہ صورت حال جب تک اللہ نے چاہا' جاری رہی۔ پھر آہستہ آہستہ عقیدہ اور فکر مضمحل ہوا' اس کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور حکومت اور سیاست پر بھی اسلام کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ اس وقت تجدید و احیاے دین کی ضرورت پیش آئی اور اس سلسلے کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ مجددین اور مصلحین امت نے جس دور میں جس طرح کی کمی محسوس کی' اسے دور کرنے کی کوشش کی۔

گذشتہ تین صدیوں کا جائزہ بتاتا ہے کہ اس کار تجدید و اصلاح کے لیے دنیا کے مختلف خطوں میں تحریکیں کام کرتی رہی ہیں اور انھوں نے فکر و عمل پر غیر معمولی اثرات چھوڑے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی بڑی ہنگامہ خیز ہیں۔ ان میں بڑی زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ایک طرف مغرب' نئے افکار' نئی سائنسی تحقیقات و ٹکنالوجی اور نئے عزائم اور تازہ سیاسی قوت کے ساتھ ابھر رہا تھا اور دوسری طرف مسلمان دینی اور اخلاقی زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان کی سیاسی قوت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ مغرب کے افکار و تہذیب سے مرعوب اور خوفزدہ تھے اور

سیاسی طور پر اس کی محکومی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا تو معلوم نہیں حالات کیا رخ اختیار کرتے اور مسلمانوں کی محکومی اور پستی اور دین سے دوری کس حد کو پہنچتی۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ ان ہی صدیوں میں، مسلمانوں میں، آزادی و خود مختاری کا احساس بھی بیدار ہوا اور ایسی تحریکیں بھی اٹھیں جو امت میں دینی روح پیدا کرنا چاہتی تھیں اور اس کی پوری زندگی کو دین کی بنیاد پر منظم کرنے کا منصوبہ رکھتی تھیں۔ یہ تحریکیں دنیا کے مختلف خطوں میں اٹھیں۔ ان سب کے حالات یکساں نہیں تھے۔ اس لیے ان کی کوششوں کا انداز بھی مختلف تھا۔ جن حالات و ظروف سے وہ دوچار تھیں، ان کے لحاظ سے انھوں نے اپنی پالیسی اور لائحہ عمل وضع کیا۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجدی (۱۶۹۴-۱۷۶۵) نے اپنی اصلاحی اور دعوتی کوششوں کا آغاز کیا تو نجد و حجاز میں، جو کہ توحید کے مراکز تھے اور جہاں سے دنیا کو توحید کا درس ملا تھا، بے شمار بدعات و خرافات اور مشرکانہ اعمال رواج پا گئے تھے۔ شیخ کی توجہ دو باتوں کی طرف تھی، ایک تو یہ کہ بدعات و خرافات کو ختم کر کے اصل توحید کے تصور کو اجاگر کیا جائے اور دوسرے یہ کہ لوگوں کو کتاب و سنت کی طرف رجوع کی دعوت دی جائے۔ انھوں نے اس کے لیے محمد بن سعود کی تائید حاصل کی اور ان کی مدد سے پورے حجاز سے بدعات و خرافات کا خاتمہ ہوا۔ اس کے اثرات بعد کی اصلاحی اور تجدیدی کوششوں پر صاف طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

شیخ محمد بن علی سنوسیؒ (۱۷۸۷-۱۸۵۹) نے حجاز، لیبیا، مصر، سوڈان، الجزائر وغیرہ میں تربیت گاہوں کا، جنھیں "زاویے" کہا جاتا تھا، نظم قائم کیا۔ انھیں وہ اسلامی زندگی کا نمونہ بنانا چاہتے تھے اور فکری اصلاح کے ساتھ عملی تربیت بھی دیتے تھے۔ اس میں فوجی تربیت بھی شامل تھی۔ وہ دنیا کی تعمیر نو کا عزم رکھتے تھے اور اس کے لیے قدیم علوم کے ساتھ جدید سائنس اور ٹکنالوجی کو بھی ضروری خیال کرتے تھے تا کہ جدید یورپ کا مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن جس عزم و ارادے کے ساتھ وہ اٹھے تھے، اس کے مطابق اقدامات نہیں کر سکے۔ انھوں نے اور ان کے جانشینوں نے بڑی بے جگری سے طویل عرصے تک مغربی استعمار کا مقابلہ کیا لیکن ذہنی و فکری لحاظ سے لیبیا کو مغرب کے اثرات سے نہ بچا سکے اور نہ صنعتی لحاظ سے اسے مغرب کے مقابلے کے قابل بنایا جا سکا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ (ش ۱۸۳۱) کی تحریک میں چند پہلو بہت نمایاں ہیں۔ ان میں سے ایک ہے توحید خالص کا تصور اور اتباع سنت کا جذبہ۔ یہ تحریک جب اٹھی تو ہندستان کے مسلمان عقیدۂ توحید سے منحرف ہوتے جا رہے تھے اور طرح طرح کی بدعات و خرافات میں گرفتار تھے۔ سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں نے ان بدعات اور خرافات پر تنقید کی اور توحید خالص کے تصور اور اس کے تقاضوں کو اجاگر کیا اور

اتباع سنت پر زور دیا۔ اس کے نتیجے میں عملاً بہت سی بدعات اور غیر اسلامی رسوم و رواج کا خاتمہ ہوا۔ اس پہلو سے یہ تحریک شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجدی کی تحریک سے بہت قریب نظر آتی ہے۔

اس تحریک کی دوسری خوبی یہ تھی کہ اس نے اپنے رفقا اور متاثرین میں تقویٰ اور خدا ترسی کی ایسی روح پھونک دی کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں، دین و ایمان کی بہار آگئی اور صحابہ اور تابعین کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ یہ اعلاے کلمۃ اللہ کی تحریک تھی۔ یہ اسلام کو سربلند کرنے اور پورے نظام اسلامی کو زندہ کرنے کی تحریک تھی۔ یہ ایسی سیاسی قوت حاصل کرنا چاہتی تھی کہ اسلام کے احکام کو نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ افسوس کہ یہ تحریک اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا شکار ہو گئی ورنہ کم از کم شمال مغربی ہند کا رخ بدل گیا ہوتا۔ یہ تحریک بظاہر سیاسی طور پر ناکام ہو گئی لیکن اس کے رفقا اور علم بردار ہندستان میں دور دور تک پھیل گئے۔ ان کی کوششوں کے اثرات آج تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

الاخوان المسلمون دور جدید کی بہت ہی منظم اور طاقت ور تحریک ہے۔ اس کے بانی شیخ حسن البنا شہیدؒ (۱۹۰۶-۱۹۴۹) کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ اسلامی علوم پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے اور دور جدید کے تقاضوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے اسلام کو جامد مذہب کی جگہ ایک انقلابی فکر کی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ اسلام محض عقائد و عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق و سیاست، روحانیت و مادیت، تزکیہ نفس، جدوجہد اور جہاد کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ دنیا کے باطل نظام انسان کے جن مادی مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں، اسلام ان مسائل کو ان سے بہتر طریقے سے حل کرتا ہے اور اس کی روح کی تسکین کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کے طور پر دنیا میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے افراد کی تربیت کی اور انھیں تیار کیا۔ اس تحریک کو شدید آزمایشوں سے گزرنا پڑا۔ افسوس کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں اس تحریک کو سخت نقصان پہنچا۔ اب بھی یہ عالم اسلام کی ایک تسلیم شدہ طاقت ہے۔

تحریک اسلامی: دور جدید کی اسلامی تحریکوں میں "تحریک اسلامی" نسبتاً کم عمر ہے۔ مولانا مودودیؒ نے جس وقت اس کی بنیاد رکھی (۲۶ اگست ۱۹۴۱) مشرق سے مغرب کا سیاسی اقتدار تو ختم ہو رہا تھا لیکن فکری اور تہذیبی اقتدار جوں کا توں باقی تھا۔ ہر طرف سیاسی آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں لیکن جو لوگ یہ تحریکیں چلا رہے تھے وہ مغربی فکر سے متاثر ہی نہیں، بے حد مرعوب بھی تھے۔ وہ اس کی بنیادوں کو مزید مستحکم کر رہے تھے۔ آزادی کے بعد ان کے سامنے ملک و وطن کی تعمیر کا کوئی نقشہ نہیں تھا بلکہ وہ مغرب ہی کے نقشے کو اپنے ہاتھوں نافذ کرنا چاہتے تھے۔ اس پس منظر میں مولانا مودودیؒ کی خدمات کو آسانی سے سمجھا جا

سکتا ہے۔

۱- مولانا مودودیؒ نے مغربی فکر کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، اس کی خامیاں واضح کیں تاکہ ذہنوں میں اس سے جو مرعوبیت ہے، وہ ختم ہو۔ انھوں نے ثابت کیا کہ مغربی افکار اور اس کی تہذیبی اقدار کی اساس اس قدر کمزور ہے کہ اس پر کوئی مضبوط عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی۔ جو اس کے پیچھے اپنے مسائل کے حل کی توقعات لے کر دوڑ رہے ہیں، وہ سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، سوائے ناکامی کے کچھ ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔

۲- مغرب نے اسلام کے عقائد، خدا، وحی و رسالت، آخرت، جنت اور جہنم اور تمام مابعد الطبیعیاتی امور کا مذاق اڑایا تاکہ اسلام کی بنیاد ہی سے یقین متزلزل ہو جائے۔ مولانا محترم نے اپنے زور قلم سے ثابت کیا کہ عقائد اسلام سے ان کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے جبکہ عقل سلیم اور انسان کی فطرت ان کی تائید کرتی ہے۔ مولانا کی کتابیں **رسالہ دینیات**، **اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی** اور **اسلامی نظام زندگی** میں شامل متعدد مقالات اسی مقصد کے تحت لکھے گئے۔

۳- مغرب نے اپنے سیاسی مصالح کے تحت مذہب کو ایک انفرادی معاملہ قرار دے رکھا تھا، تاکہ وہ مذہب کو اور اس بہانے اپنے سب سے بڑے حریف اسلام کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے عبادت و ریاضت اور چند مذہبی رسومات تک محدود کر دے۔ مغرب کے اس نقطہ نظر کو دنیا نے عملاً قبول بھی کر لیا۔ مولانا مودودیؒ نے پوری قوت کے ساتھ کہا کہ خدا اور بندے کے تعلق کو عبادت تک یا انسان کی نجی زندگی تک محدود کر دینا خلاف عقل ہے۔ خدا ہے تو وہی ہماری پوری زندگی کا جائز حکمراں ہے۔ کسی دوسرے کی حکومت زندگی کے کسی بھی شعبے میں ناجائز ہے۔ اسلام صرف عبادات اور اخلاقیات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ ایک انقلابی فکر ہے جو پوری زندگی پر حکومت کرتی ہے۔ کسی دوسرے کے اقتدار کو وہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

مغرب نے اسلام کی بعض تعلیمات کو اپنی تنقید کا خاص نشانہ بنایا اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی تاکہ اسلام سے وابستگی آدمی کے لیے عزت اور فخر کا باعث نہ ہو بلکہ وہ اس سے ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے لگے۔ مولانا مرحوم نے **الجہاد فی الاسلام**، **ضبط ولادت**، **پردہ**، **قتل مرتد کی سزا** جیسی بے نظیر کتابیں تصنیف کر کے اور اپنے مقالات میں غلامی، تعدد ازدواج اور قانون وراثت جیسے موضوعات پر مدلل بحث کر کے ان کوششوں کو ناکام بنایا اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔ اسی طرح بہت سے مسائل میں خود مسلمانوں کا ذہن صاف نہیں تھا۔ مولانا نے **تفہیمات** اور **تنقیحات** کے ذریعے اسے صاف کرنے کی

کوشش کی۔

معاشیات کے میدان میں اشتراکی فکر چھائی ہوئی تھی۔ ترقی پذیر ممالک کسی اور فکر کے بارے میں سوچ بھی نہیں پا رہے تھے۔ ترقی یافتہ ممالک سرمایہ داری کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ مولانا مودودیؒ نے ایک طرف تو ہیگل اور مارکس کے فلسفے پر تنقید کرکے بتایا کہ اشتراکیت کی فکری بنیاد کس قدر کمزور ہے، دوسری طرف سرمایہ داری کے نقصانات سے بھی باخبر کیا۔ اس کے ساتھ مولانا نے بتایا کہ اسلام معاشیات کے ایسے متوازن اصول پیش کرتا ہے جو اشتراکیت اور سرمایہ داری کے نقصانات سے پاک ہیں۔ اس کی تفصیل ہمیں **اسلام اور جدید معاشی نظریات، سود، مسئلہ ملکیت زمین** اور اس موضوع سے متعلق بعض مقالات میں ملتی ہے۔

سیاست کے میدان میں مغربی جمہوریت سے آگے کوئی شخص سوچنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مولانا نے سیکولر ڈیموکریسی پر زبردست تنقید کی اور اسلام کے سیاسی نظریے کو بہت تفصیل سے اور پوری استدلالی قوت کے ساتھ پیش کیا۔ مولانا کی یہ تحریریں ہمیں ان کی کتاب **اسلامی ریاست** میں ملتی ہیں اور اسلامی ریاست پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، اس کتاب میں ان کا بھی جواب دیا گیا ہے۔

مولانا مودودیؒ کی علمی خدمات میں **تفہیم القرآن** ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس میں مولانا کی پوری فکر سمٹ آئی ہے۔ اس میں مغرب کے فلسفوں پر علمی اور سنجیدہ تنقید ہے، اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب ہے اور اس طرح یہ اسلام کی ہمہ جہتی، دل نشین اور واضح تشریح ہے۔

مولانا مودودیؒ نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان میں سے بعض موضوعات بالکل نئے ہیں اور بعض وہ ہیں جن پر مولانا سے پہلے یا بعد میں کام ہوا ہے لیکن مولانا کے قلم کی بعض خصوصیات انھیں دوسری تحریروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہاں ان کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک دین ایک "کل" ہے۔ اس کا ہر جز منطقی طور پر اس سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ اس کو الگ کرکے دیکھنے سے اس کی حقیقی تصویر ابھر کر سامنے نہیں آتی بلکہ بعض اوقات شدید غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ مولانا اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں کہ اسلام کے کسی بھی جز کے حقیقی ثمرات اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ اس "کل" کو اختیار کیا جائے۔

۲۔ مولانا کا انداز خالص علمی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا جرات مندانہ ہوتا ہے۔ وہ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں اور اس کی کمزوریوں اور خامیوں کو اس طرح بے نقاب کرتے ہیں کہ آدمی اس کی عظمت کا قصیدہ پڑھنے کے بجائے اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

مولانا کے ہاں جدید فکر پر جتنی شدید اور بے لاگ تنقید ہے' کسی دوسری جگہ مشکل ہی سے ملے گی۔

۳۔ مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے آفاقی پہلو کو بہت نمایاں کیا ہے۔ دنیا بین الاقوامیت کے ہزار دعووں کے باوجود آج بھی نسل پرستی' قوم پرستی اور وطن پرستی کی بندشوں سے آزاد نہیں ہوسکی ہے۔ وہ ان ہی دائروں میں رہ کر اپنے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہے۔ مولانا اسلام کو اس حیثیت سے پیش کرنے میں کامیاب ہیں کہ وہ کسی گروہ یا فرقے کا نہیں' ساری نوع انسانی کا دین ہے۔ دنیا کے ہر فرد اور ہر گروہ کی نجات اسی سے وابستہ ہے۔ انھوں نے برصغیر کے مخصوص حالات میں اپنے کام کا آغاز کیا اور اس کے لیے ایک نقشہ کار بھی پیش کیا لیکن اسلام کی یہ آفاقیت ہمیشہ ان کے سامنے رہی اور وہ پوری دنیا کے لیے اسلام کے داعی بن کر ابھرے۔

مولانا مودودیؒ کا کام صرف علمی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ انھوں نے اسلام کو قائم اور غالب کرنے کے لیے عملاً جدوجہد شروع کی اور اس کے لیے ایک منظم تحریک برپا کی۔ مولانا نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ اسلام کوئی قومی مذہب نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا دین ہے اور اس کے ماننے والے ایک امت ہیں۔ یہ امت دین ہی کے اصول و نظریات کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ جو شخص ان نظریات پر ایمان لے آئے وہ اس کا جز اور اس کا فرد بن جاتا ہے۔ اس امت کا فرض ہے کہ اپنے چھوٹے بڑے اختلافات کو فراموش کر کے دین کی سربلندی کے لیے متحد ہو جائے اور اپنے فکر و عمل سے اس کی شہادت دے۔

مولانا مودودیؒ کی ان علمی کوششوں کو ان کی برپا کردہ تحریک اسلامی نے آگے بڑھایا ہے۔ جن پہلوؤں پر مولانا کام نہیں کر سکے تھے ان پر کام ہوا ہے' جن موضوعات کی طرف صرف اشارات کیے جا سکے تھے ان کی تفصیل اور وضاحت کی جا رہی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو دور جدید کی اسلامی تحریکوں میں جماعت اسلامی اپنے علمی سرمائے کے لحاظ سے کافی آگے نظر آتی ہے۔ پورے عالم اسلام میں بلکہ پوری دنیا میں احیائے اسلام کی جو کوششیں ہو رہی ہیں' ان میں اس سرمائے سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

۹۴' ۹۵' ۹۶' ۹۷ کے ۴۸ شمارے ۸ جلدوں میں

ترجمان القرآن کے گذشتہ ۴ سالوں کے شمارے' دیدہ زیب مجلد شکل میں دستیاب ہیں۔

فی جلد ۷۰ روپے۔ مکمل سیٹ -/۵۰۰ روپے۔ رعایت ۶۰ روپے

لائبریریوں کے ذمہ دار اور اہل ذوق توجہ فرمائیں۔ (ڈاک خرچ بذمہ خریدار)

مینیجر ترجمان القرآن 5-اے ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور